مدرسہ

انسانیت کی ضرورت

تالیف

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ایچ، ایم، حسین ٹرسٹ

H.M. Husain Trust

email:hmhamuwah@yahoo.com

Cell: + 91 7095168679

طبع اول

جمادی الاول ۱۴۳۹ھ-فروری ۲۰۱۸ء

نام کتاب: مدرسہ انسانیت کی ضرورت

مؤلف : مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۲۴

تعداد : ۲۰۰۰

کمپوزنگ: عاقب حامد

قیمت : ہدیہ منجانب، ٹچ، یم حسین ٹرسٹ

انتساب

خان صاحب، اے، ایس، عبدالقادر

اور اہلیتین علیہ الرحمۃ

(انجینیر محمد عثمان حیدرآبادی کے تایا تائین)

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ-0522- 2741539

دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی-09807240512

ناشر

ٹچ، یم، حسین ٹرسٹ

H.M. Husain Trust

email:hmhamuwah@yahoo.com

Cell: + 91 7095168679

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اللہ تعالیٰ نے جامعہ ہدایت کے سنگ بنیاد کی اس مبارک تقریب کے لیے سازگار حالات اور اسباب خیر پیدا فرمائے اور جامعہ ہدایت کے قیام کے مبارک خیال کو عملی صورت میں ظاہر کرنے کی توفیق جس بندے کو عطا فرمائی اس پر جس قدر بھی اس قادر مطلق اور مسبب الاسباب کا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالرحیم زادفیضہٗ کی مبارک خواہش پر ہندوستان کی مایہ ناز ہستی، قابل فخر علمی شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کے مبارک ہاتھوں سے ''جامعہ ہدایت'' کا سنگ بنیاد رکھا گیا یہ بابرکت اور خوشگوار ابتدا ''جامعہ ہدایت'' کے درخشاں مستقبل اور عظیم مقصد کی تکمیل کی طرف قدرت کا ایک حسین اشارہ ہے۔

۲۲ رشوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۶ء جامعہ ہدایت کے سنگ بنیاد کے مبارک موقع پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، نے ایک پرمغز اور پراثر تقریر فرمائی۔ جامعہ ہدایت کے شعبۂ نشر واشاعت کی طرف سے افادۂ عام کے لئے اس تقریر کو کتابچہ کی شکل میں مرتب کر کے شائع کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی عالمانہ بصیرت اور فاضلانہ عظمت کا

اعتراف نہ صرف ہندوستان کو ہے بلکہ آپ کی ذاتِ گرامی سے جو علمی فیضان کا سلسلہ جاری ہے اس سے یورپ، افریقہ، مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا (۱) کے کروڑوں علم دوست افراد فیضیاب ہو رہے ہیں۔

آپ کی ذاتِ گرامی گو بظاہر ایک ذات اور واحد شخصیت نظر آتی ہے لیکن حقیقتاً آپ بجائے خود ایک جماعت ہیں۔ آپ مخزن العلوم ہیں، آپ دینیات کا ایک بیش بہا، قابل قدر ادارہ ہیں، آپ ملک اور قوم کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں، آپ کی زبان اور قلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصف عطا فرمایا ہے کہ آپ کی تحریر کا ہر جملہ نظر نواز ہوتے ہی دل میں اتر جاتا ہے اور آپ کی تقریر کا ہر فقرہ کانوں سے ٹکراتے ہی دل میں گھر کر جاتا ہے۔

پروردگار عالم نے اپنے فضل سے آپ کو اسی لیے نوازا ہے کہ اس کی نظر میں آپ کی خدا پرستی، دینداری، آپ کا علوم دینیہ سے والہانہ شغف امتیازی شان رکھتا ہے اور آپ کی ہر قلمی کاوش اور دینِ متین کے بارے میں آپ کا ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ومقبول ہے، اعلائے کلمۃ الحق آپ کا شعار ہے اسی لیے ہندوستان اور عالم اسلام کی ممتاز دینی اور علمی شخصیتوں میں آپ کا شمار ہے۔

آپ کی ذات گرامی کی بدولت آج ہندوستان کی وہ علمی روایات تازہ اور باقی ہیں جن پر ہندوستان کو بجا طور پر ناز تھا اور آج بھی آپ کی بدولت ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ ہندوستان کی علمی شان برقرار ہے۔ الحمدللہ ہندوستان کی تصنیفی روایات آپ کے دم سے اب بھی زندہ اور باقی ہیں، اور اسی لئے آپ کی ذات گرامی پر ہر علم دوست ہندوستانی جس قدر بھی فخر وناز کرے کم ہے۔

شعبۂ نشر واشاعت

جامعہ ہدایت، پوسٹ بکس نمبر ۲ جے پور

---

(۱) یورپ، شمالی وجنوبی امریکہ بھی شامل ہیں۔

تاریخ راجستھان کا ایک یادگار دن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ
(وَھُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ وَھُوَالْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ)

(سورہ شوریٰ:۲۸)

جناب صدر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب، مولانا عبدالحی فائز سید فاروق حسن صاحب، علماء کرام، معززین راجستھان وحاضرین مجلس!

میں آپ حضرات کی اس عزت افزائی کا شکر گزار بھی ہوں اور اس سے محجوب اور شرمندہ بھی کہ آپ نے اس بڑے اعزاز کے لئے میری حقیر ذات کا انتخاب کیا میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ جب میں خطبۂ استقبالیہ میں اپنے متعلق بلند الفاظ سن رہا تھا۔ تو کس قدر پانی پانی ہو رہا تھا۔ ایاز قدر خوش شناس۔ اگر آدمی اپنی حقیقت نہیں پہچانتا تو وہ کچھ بھی نہیں پہچانتا میں اس لحاظ سے اس نو خیز ونومولود جامعہ کی خدمت انجام دینے کی ضرور اہلیت رکھتا ہوں کہ میں ایک طالب علم ہوں میرا ایک علمی خاندان سے تعلق ہے اس میں میں کسی تواضع اور خاکساری کی ضرورت نہیں سمجھتا، اس راجستھان کے ایک مردم خیز علاقہ سے بھی میرا قدیم تاریخی تعلق رہا ہے یہ چیزیں میرے لئے ضرور سفارش کرتی ہیں لیکن جتنا بڑا اعزاز آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ ایک بڑی قبا ہے جو ایک حقیر جسم پر راست نہیں آتی اور جسم کی کوتاہ قامتی کا اعلان کرتی ہے اور اس کے لئے باعث شرمندگی ہے لیکن۔

بر کریمان کارہا دشوار نیست

میں اس سے زیادہ کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کہ شاید یہ بھی کسی تصنع اور بے جا خاکساری پر محمول کیا جائے۔

خزاں رسیدہ انسانیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

حضرات! میں نے ابھی جو آپ کے سامنے آیت پڑھی ہے اس کا انتخاب میں نے قاری صاحب کی قرأت سے کیا ہے اور اس نے میری بڑی رہنمائی کی ہے اور قرآن مجید اسی طرح ہمیشہ رہنمائی اور مشکل کشائی کرتا رہا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ

(سورہ شوریٰ:۲۸)

اللہ وہ ہے جو بارش کو نازل فرماتا ہے، حقیقت میں غیث کا ترجمہ ''بارش'' پورا ترجمہ نہیں ہے۔ غیث اس چیز کو کہتے ہیں جو عین وقت پر مدد کرے، عین وقت پر مشکل کشائی کرے، فریاد رسی کرے، دست گیری کرے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح کسی جاں بلب مریض کے حلق میں آب حیات کے کچھ قطرے ٹپکا دیئے جائیں، اس کو کوئی داروئے حیات مہیا کر دیا جائے۔ اسی طرح سے تپتی ہوئی، سلگتی ہوئی، جلتی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی زمین پر اللہ تعالیٰ آب حیات کے قطرے برسایا کرتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا۔ وہ فریاد رسی فرماتا ہے اور زندگی کا سامان مہیا کرتا ہے، انسانوں کے لئے اس کے بعد کہ وہ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں ان کی آنکھیں آسمان سے لگی ہوتی ہیں وہ بڑے ارمان اور حسرت کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھتے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانی برسا کر سوکھی کھیتی کو ہرا کر دے هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيُنْشِرُ رَحْمَتِهٖ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ اور اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیتا ہے اور اپنی رحمت کی ہوائیں چلاتا ہے اور وہ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ہے یہاں پر جن صفات کا انتخاب کیا گیا ہے وہ بھی بڑی معنی خیز ہیں اللہ کے سب نام اچھے وَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى، اللہ کی سب صفات اعلیٰ اور بالا و برتر ہیں لیکن یہاں الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ کی صفات کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ اس مضمون سے اور

اس انسانیت کی چارہ سازی اور مسیحائی سے اس کا خاص تعلق ہے۔

یہ انسانیت کس کی ہے؟ اللہ کی ہے! وہی اس کا والی و وارث ہے کوئی اپنی کھیتی کو سوکھا نہیں دیکھ سکتا، کوئی یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی لگائی ہوئی کھیتی سوکھ جائے وہ ''الوَلِی'' ہے وہی اس کا مالک بھی ہے اور پیدا کرنے والا بھی۔ ''الحَمِیْد'' ہے وہ حمد کا مستحق ہے جس کی شان حمید کی ہے جس کی صفت حمید کی ہے، اس کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دے۔

مرض اور مسیحائی کے درمیان اٹوٹ رشتہ

حضرات! پیاس اور سیرابی، ضرورت اور اس کی تکمیل، مرض اور اس کے مسیحائی کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے کہ جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا یہ ازلی اور ابدی رشتہ ہے۔ جب تک پیاس ہے سیرابی ضرور ہے، جب تک ضرورت ہے تکمیل ضرور ہے، جب تک مریض ہے اس کے لئے دوا و علاج کا سامان ضرور ہے۔ اسی طریقہ سے صحرا اور علم، صحرا اور ہدایت، ریگستان اور ہدایت کے درمیان بھی ایک ایسا مخفی، ایسا لطیف اور ایسا قدیم اور دائمی رشتہ ہے جس کی شہادت قرآن مجید سے بھی ملتی ہے، تاریخ انسانیت سے بھی ملتی ہے اور انسانی تجربات سے بھی ملتی ہے، آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب ساری دنیا پر خزاں کا دور دورہ تھا جب انسانیت کی پوری کھیتی انبیاء علیہم السلام کی لگائی ہوئی کھیتی اور انبیاء علیہم السلام کی ہزاروں برس کی کوشش پر پانی پھر رہا تھا جب انسانیت کی یہ کھیتی سوکھ رہی تھی جب انسانیت دم توڑ رہی تھی اور دیکھنے والوں کو صاف نظر آرہا تھا۔

اس کے لئے کسی خاص بصیرت کی بھی ضرورت نہیں تھی معمولی بصارت بھی کافی تھی کہ کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے، چند گھنٹوں، چند منٹوں میں، یہ انسانیت دم توڑ دے گی اور یہ اس کا دم واپسیں ہے۔

اس وقت دنیا میں بڑے لہلہاتے ہوئے ملک تھے، گل و گلزار شہر تھے، وہ ملک بھی تھے جو ہزاروں برس سے تہذیب و تمدن کا مرکز چلے آرہے تھے جہاں علم کی ہوائیں

تھیں، جہاں علم کی عطر بیزی تھی، جہاں کی زمین سے علم اُگلتا تھا۔ اور جہاں کا آسماں معلوم ہوتا ہے کہ علم برساتا تھا لیکن سارے ممالک انسانیت کی چارہ سازی اور انسانیت کی مسیحائی سے قاصر ہی نہیں تھے بلکہ باغی تھے، منکر تھے، بلکہ وہ انسانیت کے درد میں اضافہ کرنے والے تھے، آپ اگر اس وقت کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانیت جس سے فریاد کر رہی تھی، انسانیت جس کے خلاف مدعی نبی ہوئی تھی، انسانیت جس کی گریباں گیر تھی، یہ وہی بگڑا ہوا تمدن تھا، یہی منحرف علم تھا، یہ وہی شاطر عقل تھی، وہی چالاکی تھی، وہی دانشمندی تھی، جس نے غلط رخ اختیار کر لیا تھا، جس نے تعمیر کے بجائے تخریب کا رخ اختیار کر لیا تھا، اس وقت یونان بھی تھا، ایران بھی تھا اور ہمارا ملک ہندوستان بھی تھا، یورپ کو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس وقت جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا لیکن چھٹی صدی مسیحی یا ساتویں صدی مسیحی میں یہ ملک تہذیب و تمدن کا بڑا مرکز تھا ان لوگوں کی طرف انسانیت کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں کہ ان کی طرف سے کوئی باد بہاری کا جھونکا آئے، ان کی طرف سے جاں نوازی، مسیحا نفسی کی کوئی کوشش ہوگی، یونان کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں، اس نے فلسفہ دیا، لیکن وہ انسانیت کے درد کا درماں نہ تھا ہندوستان کی طرف نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے حساب اور علم ریاضی دیا مگر یہ انسانیت کے مرض کی دوا نہ تھی۔ ایران کی طرف اس کی نظر لگی ہوئی تھی۔ اس نے سپہ گری اور شاعری دی مگر یہ بھی انسانیت کے درد کی دوا نہ تھی۔

صحرا بہار کا پیغمبر دیتا ہے

اس وقت تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ صحرائے عرب سے اللہ کی رحمت کے وہ بادل اٹھے، اللہ کی رحمت کے دریا میں وہ جوش آئے اور وہاں سے وہ موج چلے، موج نور چلے جو ساری دنیا کو زندہ کر دے۔

صحرا کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے صرف اس لئے نہیں کیا کہ وہ اس کا سب سے زیادہ محتاج تھا اللہ تعالیٰ کو اپنی قدر کا یہ تماشا دکھانا تھا کہ وہ صحرا جو پانی کے ایک قطرے کو ترستا ہے ساری دنیا کو سیراب کر سکتا ہے، وہاں خدا نے کسی دانشمند اور فلسفی کو بھی پیدا نہیں کیا، صحرا کا

بھی انتخاب کیا اور صحرا کے نبی کا بھی انتخاب کیا، اس صحرا میں اور صحرا کے نبی میں بھی ایک لطیف رشتہ تھا اور خاص مناسبت بھی، صحرا عرب کا اور نبی امی! کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی کہ دنیا کے دانشور اس کے تاویل کر سکیں۔ اور کوئی علت معلول کا ایسا مخفی رشتہ تلاش کر سکیں اور اس کی ایسی تشریح کر سکیں کہ جس کو علم و فلسفہ قبول کر سکے آپ کہہ سکیں کہ ایک عالم نے دنیا کو علم دیا اور ایک گل و گلزار ملک نے دنیا کو بہار کا پیغام دیا۔

صحرا بہار کا پیغام دیتا ہے اور نبی امی وہ علم عطا کرتا ہے جو علم ہی نہیں علم گرا اور علماء گر ہے۔ وہ علم تنہا علم نہیں تھا بلکہ وہ تعلیم بھی تھا اس میں معلم بنانے کی بھی طاقت تھی۔ کسی ایک شخص کو معلوم نہیں پوری امت کو معلم بنانے کی اس میں صلاحیت تھی، صحرا عرب کا سا صحرا اور پیغمبر نبی اُمّی جیسا پیغمبر، اللہ تعالیٰ نے یہ دکھا دیا کہ ہماری قدرت اور ہماری کارسازی اسباب کی محتاج نہیں ہے وہ بلا سبب اور ساری دنیا کے تجربات اور ساری دنیا کے قیاسیات کے خلاف کام کر سکتی ہے۔ پھر کیا ہوا۔ اقبال سے بہتر الفاظ میں اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔

از دم سیراب آں امّی لقب
لالہ است در ریگ صحرائے عرب

''اس امّی لقب کے لب نوشین سے آب حیات کا وہ قطرہ ٹپکا جس سے صحرائے عرب کے جگر کو پھاڑ کر وہ پھول کھلا، وہ گلاب کا پھول کھلا جس نے ساری دنیا کو معطر کر دیا۔''

ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

حضرات! اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی ہمیشہ دکھاتا رہا ہے۔ اور جب سے علم کے دنیا میں پھیلنے کا اور سیرابیت کے عام ہونے کا یہ سلسلہ صحرا سے شروع ہوا اس کے بعد سے صحرا اور گلزار کی کوئی قید نہیں رہی، نبی امی کا یہ معجزہ مختلف زبانوں میں، مختلف ملکوں میں، مختلف وقتوں، مختلف حالات میں برابر ظاہر ہوتا رہا۔ آپ اسی ہندوستان کو لے لیجئے، بلکہ اسی صحرائے راجستھان کو لیجئے جس کو ہم پہلے راجپوتانہ کا صحرائے ریگستان کہتے تھے۔ یہاں بھی

جب مسلمان آئے تو انہوں نے علم کے دریا بہادیے۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

انہوں نے صرف دہلی کو، صرف لاہور کو، ملتان کو یا صرف لکھنؤ اور جونپور ہی کو شیراز کا ہمسر نہیں بنایا بلکہ ناگور اور اخیر دور میں آپ کے قریبی شہر ٹونک کو بھی انہوں نے علم کا ایک مرکز بنادیا، آپ اپنے اس راجستھان کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں ہماری تاریخی بے مائیگی اور ہمارے علم کی کوتاہی ہوگی اگر ہم یہ سمجھیں کہ راجپوتانہ کا ہندوستان کی علمی تحریک اور ہندوستان کی علمی کوششوں کی تاریخ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس نے ایک قائدانہ کردار ادا کیا ہے، دورِ اول میں ناگور اور دورِ آخر میں ٹونک نے اپنے امتیاز کا سکہ بٹھادیا اپنے علماء کی ذہانت اور تبحر کا اور ان کے علمی شغف کا لوہا منوالیا۔ ناگور کے متعلق مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ دربار اکبری کی زینت وہ فاضل نوجوان ہیں جن کو دنیا ابوالفضل اور فیضی کے نام سے جانتی ہے جو ملا مبارک ناگوری کے بیٹے تھے اگرچہ ہمیں ان کے خیالات سے پورا اتفاق نہیں اور ان کی تاریخ پر تاریخ ہی میں بہت سے پردے بڑے ہوئے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اب وہ خدا کے یہاں پہنچ گئے ہیں لیکن جہاں تک ان کے تبحر علمی، ان کے علمی تفنن اور ان کی ذہانت کا تعلق ہے، جہاں تک فیضی کی شاعری اور ابوالفضل کے زورِ قلم، آئین سازی اور تاریخ نویسی کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، آخر دور میں جب ٹونک میں ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست قائم ہوئی تو ہمارا قریب کا یہ شہر جس کو شاید راجستھان کے باہر بہت کم لوگ جانتے ہوں گے وہ بھی بہت بڑا علمی مرکز بن گیا اور وہاں ایسے علماء پیدا ہوئے کہ جن سے فیض حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے تھے، علامہ حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ ٹونکی اور پھر ان کے بعد جو جید اور سرآمد روزگار علماء پیدا ہوئے اگر آپ ان کے حالات پڑھنا چاہتے ہیں تو اردو ہی میں نہیں بلکہ عربی کی کتابوں میں بھی ان کے حالات ملیں گے جو اس وقت عالم اسلام کے تمام کتب خانوں میں موجود ہیں، آخر دور میں مولانا محمود حسن خاں صاحب ٹونکی

کا نام لیتا ہوں جن کے ذکر سے ہمارا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے جیسا کہ میرے تعارف میں کہا گیا ہے کہ میں مشرق وسطیٰ کے عرب ملکوں سے قریبی تعلق رکھتا ہوں اور میں وہاں آتا جاتا رہتا ہوں، وہاں کی علمی مجلسوں، اور وہاں کی جامعات کو بھی خطاب کرنے کا مجھے موقع ملا ہے جب بھی مولانا محمود حسن خان صاحب ٹونکی کے علمی امتیاز اور علمی کارنامہ کا ذکر کیا تو لوگوں کے چہرے پر ایک حیرت اور آنکھوں میں ایک تجسس کی کیفیت پیدا ہوگئی، ہندوستان کی سرزمین میں، وہ ٹونک کو نہیں جانتے وہ راجستھان کو بھی نہیں جانتے وہ ہندوستاں کو جانتے ہیں (الھند) تحتی براعظم ہندوستان نے اتنا بڑا مصنف پیدا کیا جس نے مصنفین کے کارناموں کو زندہ کر دیا مصنفین ہی نہیں بلکہ ان مصنفین کے کارناموں کو زندہ کر دیا۔ معجم المصنفین کے نام سے انہوں نے ایک کتاب لکھی۔ جہاں تک میری تحقیق اور میری معلومات ہے۔ بیس ہزار صفحات میں وہ کتاب لکھی گئی کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ یہ تنہا ایک شخص کا کارنامہ ہے میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ یورپ میں ایک اکیڈمی کام کیا کرتی ہے ہمارے یہاں مسلمانوں میں ایک آدمی کام کرتا تھا۔ اس ایک آدمی نے ایک اکیڈمی کا کام کیا۔ معجم المصنفین نے صرف ہندوستان ہی کے مصنفین کو زندہ نہیں کیا بلکہ تمام عالم اسلام کے مصنفین کو جن کا زمانی رقبہ پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک اور جن کا مکانی رقبہ مکہ اور مدینہ سے لے کر انڈونیشیا، بدخشاں، ختن اور تاشقند تک ہے ان کے حالات پر سے پردہ اٹھایا۔

افسوس ہے کہ اس کی چند ہی جلدیں شائع ہو سکیں لیکن پھر بھی اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے یہ میں آپ کے اس راجستھان نہیں بلکہ اسی جے پور کی جہاں آج جامعہ ہدایت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔ اس سے چند میل کے فاصلہ پر جو ایک گمنام سا شہر ہے میں اس کی ایک تنہا شخصیت کا کارنامہ بیان کر رہا ہوں۔

''تو صحرا علم سے اور تصنیف سے اور تحقیق سے ایک خاص رشتہ ہے اور یہ رشتہ جو عرب کے اس نبی امی کے ذریعہ قائم ہوا ہے یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔''

اور آج بھی آپ اس جنگل میں جو منگل دیکھ رہے ہیں، آج آپ کو جو اتنی صورتیں

یہاں نظر آرہی ہیں، آج آپ کو اس اسٹیج پر جو معززین نظر آرہے ہیں یہ بھی درحقیقت اسی نبی امی کا فیض ہے، قیامت تک جو کچھ ہوگا اسی کے طفیل ہوگا۔ اس نے جو علم کی شمع روشن کی تھی۔

ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

جہاں بھی آپ کو کوئی علم کی شمع جلتی نظر آئے گی اسی شمع، اسی دیئے سے جلایا ہوا دیا ہوگا، یہاں جو شمع ہدایت آپ دیکھ رہے ہیں، جہاں پر جس جامعہ ہدایت کے نام سے یہاں آپ جمع ہوئے ہیں یہ اسی ہادیٔ برحق اور اسی ہادیٔ کامل کی شمع ہدایت کا پرتو ہے جو آپ کو نظر آرہا ہے۔

علماء ہند کی علمی خدمات

حضرات! یہ جامعہ ہدایت کن بنیادوں پر قائم ہورہا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا کیا پیغام ہے؟ یہ کس ضرورت کی تکمیل کرے گا؟ یہ کس خلا کو پُر کرے گا؟ اس کے متعلق میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ ہے کیا چیز! مدرسہ کی کیا ضرورت ہے؟ مدرسہ کی معنویت اور اس کی قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا ان بلند و بالا جامعات کی موجودگی میں جن کا ایک نمونہ یہاں آپ کو راجستھان یونیورسٹی کی شکل میں بھی نظر آئے گا اور یہاں کالجوں کی شکل میں بھی نظر آئے گا، ان عصری جامعات کی موجودگی میں ایک جامعہ ہدایت کی کیا ضرورت ہے؟ عربی مدرسہ کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے متعلق نہایت موزوں طریقہ پر مولانا عبدالحی صاحب فائز نے بتلایا، عربی زبان کی اہمیت بتلائی، عربی زبان کی اہمیت اب سب کو تسلیم ہے ایک زمانہ تھا کہ جب ندوۃ العلماء نے عربی زبان کی اہمیت کی آواز بلند کی اور آج سے ۸۵۔۹۰ سال پہلے یہ کہا کہ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے، اس کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھنا چاہئے اور اہل زبان کی طرح اس میں کمال پیدا کرنا چاہئے، یہ آواز اس وقت اس طرح بلند کی گئی جیسے کوئی جنگل میں آواز لگائے اور اس کا کوئی سمجھنے والا نہ ہو، آج زمانہ نے، سیاسی انقلاب نے ثابت کر دیا اور دنیا کی ترقی نے اس بات کو سچ ثابت کر دیا اور عربی زبان کی اہمیت پر جو اِن روشن ضمیر علماء نے آج سے تقریباً ایک صدی پہلے سمجھی تھی، زمانہ نے مہر

تصدیق ثبت کردی، آج عربی زبان کے بغیر گاڑی نہیں چلتی، آج عربی زبان کسی کو آتی ہے تو وہ ابن بطوطہ کی طرح دنیا کے ایک سرے سے دوسرے تک سفر کرتا چلا جائے۔ تو عربی زبان سے کام لے سکتا ہے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ جب میں کالی کٹ گیا اور وہاں ایک ہی مرتبہ مجھے جانے کا اتفاق ہوا تو میں مجبور تھا کہ وہاں عربی زبان کے ذریعہ تبادلہ خیال کروں، اُردو وہ حضرات سمجھتے نہیں، اردو جس پر ہم کو، آپ کو بڑا ناز ہے اور جس میں آپ نے ایسا فصیح وبلیغ سپاسنامہ یا خطبہ استقبالیہ سنایہ اردو کیرالہ کی حد تک بالکل نامانوس ہے میں ہندوستان کا ایک شہری اپنے ہندوستانی بھائیوں سے اپنے اظہار مافی الضمیر کے لئے اپنے خیالات ان تک پہونچانے کے لئے اس پر مجبور تھا کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے انگریزی میں گفتگو کروں اور وہاں کے دیندار لوگوں اور مسلمانوں سے عربی میں گفتگو کروں، خود اس عربی زبان کا سکہ چل رہا ہے اور اس عربی زبان میں یہاں ہندوستان میں جو کچھ کام ہوا اس کے متعلق اس وقت کیا عرض کروں کہ اس وقت کا یہ موضوع نہیں ہے، اس پر مستقل تصنیفات ہیں کہ ہندوستان نے عربی زبان کو مالا مال کردیا اور بعض گوشے ایسے ہیں کہ جس پر تنہا ہندوستان کا کنٹری بیوشن (CONTRIBUTION) ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے اس موضوع کو شروع بھی کیا اور ختم بھی کیا، میں مثال کے طور پر کہتا "علمی اصطلاحات" نہایت نازک مسئلہ ہے جس طریقہ سے کہ جہاز کا قطب نما یا جہاز کا درست کرنے والا آلہ ہوائی جہاز کا یا بحری جہاز کا ہوتا ہے کہ اس میں اگر سوئی بال برابر بھی ہٹ جائے تو جہاز راستہ بھول جائے گا۔ غلط راستہ پر پڑ جائے گا۔ اس طرح علمی اصطلات کی نوک پلک اتنی نازک ہے کہ ان کی تشریح میں ذرا سی بھی غلطی ہو جائے تو پورا کا پورا فن آدمی کیلئے چیستان بن جائے گا۔ اس نازک موضوع پر دو بہترین کتابیں تیرہ سو برس میں دنیا میں لکھی گئی ہیں۔ وہ دو ہندوستانی عالموں کی ہیں۔ (۱) **کشاف اصطلاحات الفنون** مولانا محمد علی تھانوی کی جو بارہویں صدی کے ایک عالم تھے۔ (۲) **دستور العلماء** مولانا قاضی عبدالنبی احمد نگری کی جو غالباً بارہویں صدی کے ایک عالم تھے یہ دونوں کتابیں تنہا ہندوستانی عالموں کے قلم سے نکلی ہیں۔

اس طریقہ سے حدیث کے مفردات کی شرح میں سب سے مستند، سب سے وسیع اور سب سے بڑی کتاب جو جامع ہے تمام کتابوں کی وہ ایک ہندوستانی عالم فخر ہندوستان علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی کے قلم سے **مجمع بحار الانوار** کے نام سے نکلی ہے، جس کو سارا عرب جانتا ہے اور اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں سب سے اس نے مستغنی کر دیا ہے اور میں بڑے فخر اور شکر کے ساتھ آپ کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں کہ خدا نے ہندوستانی مسلمانوں کو جو سعودی عرب میں ڈیڑھ سو دو سو برس سے رہتے ہیں لیکن ہندوستان سے انہوں نے اپنا رشتہ توڑا نہیں ہے نہ ہندوستان کی زبان سے نہ ہندوستان کی تہذیب سے۔ خدا نے انہیں کو توفیق دی کہ پہلی بار خوبصورت عربی ٹائپ میں وہ اس کتاب کو شائع کریں، میرا اندازہ یہ ہے کہ ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ کے درمیان رقم اس پر صرف ہوئی ہوگی یہ آپ کے پٹنی تاجروں کا کارنامہ ہے کہ جن کا جدہ میں اور مکہ میں اور ریاض اور مدینہ میں بڑا تجارتی کاروبار ہے۔

مدرسہ کس درد کی دوا ہے

میں اب آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مدرسہ کس درد کی دوا ہے یہ مدرسہ جو قائم ہو رہا ہے خدا اس پودے کو پروان چڑھائے اور اس کو ایک شاداب اور سایہ دار درخت بنائے جس کے نیچے نسلیں آرام پائیں۔ اور اس سے ہدایت حاصل کریں یہ جامعہ کس خلا کو پُر کرتا ہے۔ کس ضرورت کی تکمیل کرتا ہے۔

حضرات! صحیح دینی مدرسہ کے بارے میں میرا نقطۂ نظر بہت سے بھائیوں سے اور ان پڑھے لکھے دوستوں سے مختلف ہے جو مدرسوں سے واقفیت کا دعویٰ رکھتے ہیں، یا اس سے تعلقات رکھتے ہیں، میں مدرسہ کو پڑھنے پڑھانے اور پڑھا لکھا انسان بنانے کا کارخانہ نہیں سمجھتا میں مدرسہ کی اس حیثیت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں اس سطح پر آنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ مدرسہ اسی طریقہ سے پڑھنا لکھنا سکھانے یوں کہنا چاہئے کہ پڑھنے لکھنے کا ہنر سکھانے کا ایک مرکز ہے۔ جیسے کہ دوسرے اسکول اور کالج ہیں۔ میں اس کو مدرسے کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے مرادف سمجھتا ہوں، یعنی اگر میں مدرسہ کا وکیل ہوں یا میں خود مدرسہ

بن جاؤں تو میں اس پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ قائم کرسکتا ہوں اگر کوئی مدرسہ کو صرف اتنا حق دینے کے لئے تیار اور مدرسہ کو صرف اتنا ماننے کیلئے تیار ہے کہ صاحب جیسے پڑھنے لکھنے کا ہنر سکھانے کیلئے بہت سے کارخانے ہیں بہت سے مرکز ہیں کوئی اسکول کہلاتے ہیں کوئی کالج کہلاتے ہیں ان کے مختلف معیار اور مختلف سطحیں ہیں۔ اسی طریقہ سے مدرسہ بھی عربی زبان یا عربی علوم وفنون، فقہ اور دینیات، تفسیر وحدیث سکھانے کا ایک مرکز یا ایک کارخانہ ہے۔ میں مدرسہ کو نائبین رسول وخلافت الٰہی کا فرض انجام دینے والے اور انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے اور انسانیت کو اپنا تحفظ وبقا کا راستہ دکھانے والے افراد پیدا کرنے والوں کا ایک مرکز سمجھتا ہوں میں مدرسہ کو آدم گری اور مردم سازی کا ایک کارخانہ سمجھتا ہوں جس طرح فیکٹریاں ہوتی ہیں مختلف قسم کی کوئی گن فیکٹری ہوتی ہے، کوئی شوفیکٹری ہوتی ہے، کوئی کسی اور قسم کی مشین ڈھالتی۔ ہے ہیوی الیکٹرک کے سامان پیدا کرنے کے بہت سے کارخانے ہیں ہم ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔ ہم ان کی ملک میں ضرورت تسلیم کرتے ہیں۔ ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے، لیکن چیزوں کے مختلف درجے ہوتے ہیں، مدرسہ اس طرح کے پڑھے لکھے آدمی پیدا کرنے کا مرکز اور انسان نہیں، مدرسہ ایسے لوگ پیدا کرنے کا مرکز ہے جن کا ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ مدرسہ ایسا کر رہا ہے یا نہیں اور ہر مدرسہ یہ کرنا چاہتا ہے یا نہیں اس کا اس اصولی بحث سے کوئی تعلق نہیں، میں مدرسہ کے ایک خادم کی حیثیت سے اور مختلف مدارس سے تعلق رکھنے والے کی حیثیت سے اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ بہت سے مدارس یہ فرض انجام دینے سے قاصر ہیں یا قاصر ہو گئے ہیں۔ پہلے یہ فرض انجام دیا کرتے تھے اب یہ فرض وہ انجام نہیں دے رہے ہیں کیوں؟ لیکن مدرسہ کو کیا فرض انجام دینا چاہئے، مدرسہ کا فرض کیا ہے؟ مدرسہ کے سپرد کون سا کام کیا گیا ہے؟

مدرسہ کا شجرۂ نسب

حقیقی مدرسہ کی بنیاد اور پہلے مدرسہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی ہے، پہلے مدرسہ کی بنیاد قرطبہ اور غرناطہ میں نہیں رکھی گئی، قیروان اور قاہرہ میں نہیں رکھی گئی، دہلی اور لکھنؤ میں نہیں رکھی

گئی، فرنگی محل، ندوۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند میں نہیں رکھی گئی، پہلے مدرسہ کی بنیاد مسجد نبوی میں رکھی گئی اور اس مدرسہ کا نام صفہ تھا۔ آپ مجھے معاف کریں میں مدرسوں میں صحیح النساب مدرسہ اور عالی نسب مدرسہ اسی کو سمجھتا ہوں جس کا شجرۂ نسب صفۂ نبوی پر جا کر ختم ہو اور میں اسی مسجد کو صحیح النسب مسجد سمجھتا ہوں جس کا شجرۂ نسب کعبۂ ابرہیمی پر جا کر ختم ہو اور مسجد نبوی پر ختم ہو، میں اس کے مقابلہ میں دوسرے الفاظ بولنا نہیں چاہتا کہ وہ مسجد کیا کہلائے گی؟ لیکن قرآن مجید نے بتا دیا ہے ہمیں اور آپ کو کوئی نیا لقب ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں وہ مسجد مسجد ضرار کہلائے گی جس کا شجرۂ نسب ابرہیم و محمد علیہما السلام کی بنائی ہوئی مسجدوں پر ختم نہیں ہوتا۔

> ''اور وہ مدرسہ مدرسہ نہیں بلکہ انسانیت کی قتل گاہ کہلائے گا جس کا شجرۂ نسب صفۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوتا، ابوذر و سلمان رضی اللہ عنہما پر ختم نہیں ہوتا، صدیق، علی رضی اللہ عنہما پر ختم نہیں ہوتا، زید رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ختم نہیں ہوتا۔''

ان مبلغان دین، ان ہادیان انسانیت، ان پیشوایان عالم پر ختم نہیں ہوتا جنھوں نے ہدایت کا پیغام دیا، جنھوں نے قربانی کا پیغام دیا، جنھوں نے خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو نفع پہونچانے کا پیغام دیا، کہ اپنا زیاں مقصود ہے اور اپنا زیاں گوارہ ہے، لیکن دوسروں کا زیاں گوارہ نہیں، جنھوں نے یہ پیغام دیا کہ اپنے گھر میں اندھیرا رکھ کر دوسروں کے گھروں میں روشنی کا انتظام کرو، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر (اس لئے کہ ان کا سلسلہ انہیں پر ختم ہوتا ہے، جنھوں نے غزوۂ خندق میں پیٹ پر دو دو پتھر باندھے تھے) دوسروں کے بچوں کا پیٹ بھرنے اور ان کو کھلانے کا انتظام کرو، جنھوں نے یہ پیغام دیا کہ مدرسہ کا کام ملازمت دلانا نہیں ہے۔ مدرسہ کا کام اسامیاں بانٹنا نہیں ہے، مدرسہ کا کام ایسا پڑھا لکھا انسان بنانا جو اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو مسحور کر لے نہیں ہے، مدرسہ کا کام قرآن سنانا ہے۔ جب کہ دنیا میں ہر حقیقت کا انکار کیا جا رہا ہو اور یہ کہا جا رہا ہو کہ سوائے طاقت کے کوئی حقیقت ہے ہی نہیں، جب دنیا میں بلا محابہ ڈنکے کی چوٹ پر کہا جا رہا ہو کہ دنیا میں

صرف ایک حقیقت زندہ ہے اور سب حقیقتیں مرچکیں، اخلاقیات مرچکے، صداقت مرچکی، عزت مرچکی، غیرت مرچکی، شرافت مرچکی، خودداری مرچکی، انسانیت مرچکی، صرف ایک حقیقت باقی ہے اور وہ نفع اٹھانا اور اپنا کام نکالنا ہے۔ وہ ہر قیمت پر عزت بیچ کر، شرافت بیچ کر، ضمیر بیچ کر، اصول بیچ کر، خودداری بیچ کر صرف چڑھتے سورج کا پجاری بننا ہے، اس وقت مدرسہ اٹھتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ انسانیت مری نہیں ہے، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ نقصان میں نفع ہے، ہار جانے میں جیت ہے، بھوک میں وہ لذت ہے جو کھانے نہیں، اس وقت مدرسہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ذلت بعض مرتبہ وہ عزت ہے جو بڑی سے بڑی عزت میں نہیں، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت خدا کی طاقت ہے، سب سے بڑی صداقت حق کی صداقت ہے یہ ہے مدرسہ کا کام ہے اور اگر مدرسہ یہ کام چھوڑ دے اور دنیا کے سارے کام کرنے لگے تو وہ مدرسہ مدرسہ کہلانے کا مستحق نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جامعہ ہدایت کا صحیح سنگِ بنیاد اسی پر رکھا جا رہا ہے۔ میرے گنہگار ہاتھوں سے نہیں رکھا جا رہا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے رکھا جا رہا ہے، اور ان تمام ہادیانِ انسانیت کے ہاتھوں سے رکھا جا رہا ہے اور رکھا جا چکا ہے، یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ یہ واقعہ سیکڑوں بار پیش آچکا ہے اور دنیا کے چپہ چپہ پر جامعہ ہدایت موجود ہے۔ جب تک یہ دین زندہ ہے۔ جب تک انسانیت کے اندر کوئی سانس اور رمق باقی ہے۔ اس کے اندر حقیقی انسانیت کی رمق باقی ہے اس وقت تک دنیا کا کوئی گوشہ جامعہ ہدایت سے خالی نہیں یہ جامعۂ ہدایت درحقیقت ان حقیقی جامعات ہدایت کے خاندان کی ایک فرد ہے، یہ کسی چیز کا آغاز نہیں، ایک تسلسل ہے، وہ تسلسل جو دنیا میں کسی بڑی سے بڑی چنگیزی، بڑی سے بڑی کسروی وقیصری، بڑی سے بڑی شہنشاہی اور زور شمشیر سے اس کی لائی ہوئی مصیبت کے زمانے میں بھی کبھی نہیں ٹوٹا۔ مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے انسان پیدا کرے جو اس پست سطح سے بلند ہوں کہ قیمت لگائیے ہم سب کچھ بیچنے کو تیار ہیں آج دنیا نیلام کی منڈی کے سوا کچھ نہیں، کہاں کا مدرسہ اور کہاں کا کتب خانہ، کہاں کے اصول، اور کہاں کے معیار،

ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا ایک بازار ہے اس میں ہر ایک اپنا جنس ہنر اور کمال ہاتھ پر رکھے ہوئے بیچنے کے لئے آیا ہے، لیکن ہم اس نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ دنیا محض ایک بازار ہے، ایک منڈی ہے، یہاں جو آئے مال لے کر جائے اور بیچے، صرف مسئلہ قیمت کا ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو بیچنے میں کچھ دیر لگ جائے، اس لئے نہیں کہ اس کو اپنا جنس کمال اور اپنا جنس مذہب اور اپنا جنس اخلاق زیادہ عزیز ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے منہ مانگے دام نہیں مل رہے ہیں۔

جب انسانیت پر زوال آیا، جب اخلاقیات پر زوال آیا اور جب لوگوں کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ جو حق و باطل کی بات کہی جاتی تھی یہ محض تاریخ داستان ہے، اور محض زیب داستان کے لئے کہی گئی ہے اور اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ حق و باطل کوئی چیز نہیں ہے۔ حلال و حرام کوئی چیز نہیں ہے، کفر و ایمان کوئی چیز نہیں، غلط و صحیح، صواب و باصواب کوئی چیز نہیں ہے اصل چیز تو پیسہ ہے، اصل چیز تو طاقت ہے، اصل چیز عہدہ ہے، اصل چیز مواقع ہیں، اس وقت مدرسہ نے ایسے لوگ پیدا کئے، کوئی ایسا آدمی لا کھڑا کر دیا، ایسا بلند قامت انسان، ایسا کوہ و پیکر انسان جس نے کہا کچھ نہیں! ہم نہیں جانتے! اور اگر کسی کو اعتبار نہیں آتا تو ہمیں خرید کر دیکھ لے، اگر وہ ہمیں خرید سکتا ہے تو ہم مان لیں گے کہ دنیا میں اخلاقیات کوئی چیز نہیں اور ان سب پر مکمل زوال آچکا ہے، مدرسہ نے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کئے ہیں۔

میں آپ کو چند مثالیں دیتا ہوں کہ مدرسہ کیسے آدمی پیدا کرتا ہے، اس تھوڑے سے وقت میں جب کہ آپ کو اس تقریب میں بھی شرکت کرنا ہے۔ اور آپ دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں مدرسہ کی پوری کارگذاری آپ کو نہیں سنا سکتا، اس کو اگر آپ کو دیکھنا ہو تو مدرسوں کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ایک ایک مدرسہ پر ضخیم جلدیں لکھی گئی ہیں۔ میں مراکش گیا تھا، رباط گیا تھا تو کئی جلدوں میں مجھے جامعۃ القرویین کی تاریخ دی گئی، نہایت اعلیٰ درجہ کے آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی اور تصویروں سے مزین۔ کئی ضخیم جلدوں میں صرف جامعۃ القرویین کی۔ ایسے ہی ازہر کی تاریخ آپ پڑھیں، ہمارے یہاں دارالعلوم دیوبند کی

تاریخ آپ پڑھنا چاہیں، ندوۃ العلماء کی تاریخ آپ پڑھنا چاہیں، فرنگی محل کی تاریخ آپ پڑھنا چاہیں تو موجود ہیں۔ میں آپ کے سامنے چند مثالیں دیتا ہوں،۔

یہ ہے مدرسہ کی شان

امان مالک کا زمانہ ہے اور ساری دنیا میں علم کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اور بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی ہے کوئی شخص یہ کہے کہ **حدثنا مالک بن انس، حدثنا مالک** یہ اس وقت کا سب سے بڑا اعزاز تھا کہ دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی کہے **حدثنا مالک**۔ سب کے کان کھڑے ہوجاتے تھے اور سب سر اٹھا کر دیکھنے لگتے تھے کہ وہ کون سا خوش نصیب انسان ہے جس کو امام مالک سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، ان امام مالک کو آخری اموی دور اور ابتدائی عباسی خلافت کے زمانہ میں اپنی مسند درس بچھائے بیٹھے تھے، مدینہ طیبہ کے محدود شہر میں، ان کے پاس پیام آتا ہے کہ آپ دربار میں زحمت فرمائیں اور خلیفہ کے صاحبزادوں کو سبق پڑھادیں یعنی شہزادہ امین و مامون کو کچھ سبق پڑھادیں انہوں نے فرمایا کہ آپ کے گھر سے اس علم کی توقیر وعزت کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ آپ کے گھر سے لوگوں نے علم کی توقیر کا سبق سیکھا ہے اور آپ ہی کے ہاتھوں اس کی تذلیل ہو یہ آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ علم کے پاس آیا جاتا ہے علم کسی کے پاس نہیں جاتا، چنانچہ امین و مامون وہاں گئے اور انہوں نے امام مالک سے درس لیا، یہ ہے کہ مدرسہ کی شان، یہ میں نے آپ کے سامنے ایک نمونہ رکھا۔

دوسرا نمونہ دیکھئے

حضرت عطاء کا یا طاؤس کا واقعہ ہے کہ انہوں نے منصور کو ایک مرتبہ نصیحت کی، منصور سے کہا، اور لوگ بھی وہاں مجلس میں بیٹھے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کپڑے سمیٹنے شروع کئے، اپنا دامن سمیٹنا شروع کیا کہ ابھی جلاد کو حکم ہوتا ہے اور ان کا سر قلم کردیا جاتا ہے تو کم سے کم ان کے خونِ ناحق کے چھینٹے ہمارے دامن پر تو نہ پڑیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بس سہمے کھڑے ہوئے تھے کہ کیا حکم ہوتا ہے، منصور نے کہا کہ ذرا یہ قلم دوات رکھا ہوا ہے اٹھا دیجئے وہ ان کے قریب تھا، انہوں نے کہا میں نہیں اٹھا سکتا۔

''کیوں ؟''

انہوں نے کہا مجھے یہ اطمینان نہیں ہے کہ آپ اس سے کیا لکھیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ خدا کو ناخوش کرنے والی چیز لکھیں، میں اس میں شریک ہونا نہیں چاہتا، وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اپنا دامن سمیٹا کہ اب حکم ہوتا ہے جلاد کو، لیکن، ہیبتِ حق کا یہ حال تھا کہ منصور نے کوئی حکم نہیں دیا، یہ میں نے آپ کو دوسرا واقعہ سنایا۔

اب میں تیسرا اور آخری واقعہ سناتا ہوں۔ اس سے آپ سمجھیں کہ علم کی کیا شان ہے۔ ایک بزرگ تھے ابھی سو برس پہلے کا قصہ ہوگا جو دمشق کی جامع مسجد جامع اموی میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے، اتفاق سے اس دن ان کے پاؤں میں تکلیف تھی، اور گھٹنے میں تکلیف تھی اور وہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ استاذ پشت بہ قبلہ ہوتا ہے اور اس کے شاگرد سامنے بیٹھے ہوتے ہیں اور دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں تو ان کا چہرہ دروازے کی طرف تھا اور پشت قبلہ کی طرف تھی اور پاؤں دروازے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے۔ اس وقت کا ایک مشہور بانی سلطنت مصر خدیوی سلطنت جو ابھی فاروق پر ختم ہوئی ہے، ابھی پندرہ بیس برس پہلے اس کا بانی تھا، محمد علی پاشا اس کا بیٹا تھا۔ ابراہیم پاشا وہ اس زمانہ میں بڑا سفاک اور جلاد مشہور تھا، وہ شام کا گورنر تھا اور اس کی سفاکی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے اس کو خیال ہوا کہ میں حضرت کا درس جا کر سنوں اور ملاقات کروں۔ راستہ ہی وہ تھا اس لئے پہلے دروازے کی طرف سے آیا، سب کو خیال تھا کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو اس موقع پر اپنا پاؤں سمیٹ لیں گے اتنی دیر میں کیا ہو جائے گا۔ لیکن انہوں نے بالکل کوئی جنبش نہیں کی نہ درس موقوف کیا نہ پاؤں سمیٹا، اسی طرح پاؤں پھیلائے رہے اور وہ پاؤں ہی کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہم بالکل لرزاں و ترساں تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے، کیا ہمارے شیخ کی شہادت ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی یا یہ کہ تذلیل ہوگی۔ مشکیں باندھ لی جائیں گی اور کہا جائے گا لے چلو، وہ کھڑا رہا اور وہ دیر تک درس دیتے رہے۔ التفات بھی نہیں کیا اور

پاؤں بھی نہیں سمیٹا، مگر خدا جانے ان لوگوں کا کیا اثر ہوتا ہے۔ کہ اس نے کچھ کہا نہیں کوئی سرزنش نہیں کی، کوئی شکایت نہیں کی اور چلا گیا۔ سننے والی بات جو ہے وہ یہ کہ وہ کچھ ایسا معتقد ہوا کہ اس نے جا کر اشرفیوں کا ایک توڑا غلام کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ شیخ کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں، آپ جانتے ہیں انہوں نے جواب میں کیا کہا، یہ آبِ زر سے لکھنے والا جملہ تھا جو علم کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ انہوں نے کہا اپنے بادشاہ کو سلام کہنا اور کہنا جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، یا پاؤں ہی پھیلا لے یا ہاتھ ہی پھیلا لے، ایک ہی کام ہوسکتا ہے دنیا میں، جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے میں اسی وقت سمجھتا تھا کہ اب میں ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔ اَلَّذِیْ یَمُدُّ رِجْلَهٗ لَا یَمُدُّ یَدَهٗ انہی الفاظ کے ساتھ مورخ نے ان کو نقل کیا ہے۔

اَلَّذِیْ یَمُدُّ رِجْلَهٗ لَا یَمُدُّ یَدَهٗ

جامع ہدایت کے طلباء اور فضلاء کو ہدایت

میرے دوستو اور بھائیو!

ہمیں ایسے مدرسہ کی ضرورت ہے اور ہم توقع کرتے ہیں کہ جس مدرسہ کا نام ہی جامعہ ہدایت ہے۔ وہاں کے طلباء اور فضلاء کو اس سے یہ ہدایت ملے گی کہ وہ یہ غیرت اور خودداری سیکھیں، ان علماء ربانیین سے اور علماء حق سے جن کے واقعات سے تاریخ لبریز ہے۔ اس خودداری کا سبق سیکھیں کہ یا پاؤں پھیلا لیں یا ہاتھ پھیلا لیں۔

آج ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو چاہے پاؤں نہ پھیلائیں، میں نہیں کہتا کہ پاؤں پھیلائیں، میں نہیں کہتا کہ آج زمانہ اس جرأت کا متحمل ہے میں نہیں کہتا کہ اس زمانہ کی تہذیب اس کو گوارا کرے گی یا اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ بے ضرورت پاؤں پھیلائے جائیں، بے ضرورت پاؤں پھیلانے کی میں تبلیغ نہیں کرتا۔ مگر ضرور کہوں گا کہ ہاتھ نہ پھیلائیں۔ عالم وہ ہے کہ جو ہاتھ نہ پھیلائے۔ آج ہمارے مدرسوں کو ان آدمیوں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور دنیا کو اور انسانیت کو ان عالموں کی ضرورت ہے جن کے متعلق

تجربہ ہوجائے کہ یہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے نہیں ہیں۔ اور آج جس بزرگ اور گرامی ذات سے اس جامعہ کا انتساب کیا جارہا ہے۔ انہوں نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے وہ ہاتھ پھیلانے والے نہیں تھے اور ان کی روح جب ہی خوش ہوگی، جب اس جامعہ سے وہ لوگ نکلیں جو دنیا کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں، آج ہمیں یہ منظر نظر آرہا ہے کہ سب نے کسی نہ کسی شکل میں ہاتھ پھیلا رکھے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پھیلے نہیں ہیں اس لئے کہ ہاتھ پھیلانے کا ان کو موقع نہیں ملا۔ لیکن ہاتھ پھیلنے کے لئے تیار ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ جو ہاتھ پھیلے نہیں ہیں وہ پھیلنے کے لئے بے چین و بے قرار ہیں۔ آج کون سا ہاتھ ہے جو تڑپ نہیں رہا ہے کہ مجھے پھیلنے کا موقع ملے، آج دنیا ذہنوں کو نہیں ترس رہی ہے، فلسفیوں کو نہیں ترس رہی ہے۔

''میرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے، میں یورپ بھی دیکھ آیا ہوں اور مشرق وسطیٰ کا کونہ کونہ میں نے چھانا ہے، آج بڑے بڑے عالموں کی، ادیبوں کی، مصنفوں کی، خطیبوں کی، شاعروں کی، دانشوروں کی، فلسفیوں کی کمی نہیں ہے، آج کمی ہے، ان اللہ کے بندوں کی، ان قدسی نفوس کی جو کسی شکل میں بھی ہاتھ پھیلانے کے لئے تیار نہیں، وہ موت کو ترجیح دیں گے لیکن ہاتھ نہ پھیلائیں گے، وہ اپنے ضمیر کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں''

دنیا میں سیاسی انقلابات آئیں اور گذر جائیں، حکومتیں قائم ہوں، اور نکل جائیں، ہوا چلے اور بند ہوجائے، کچھ بھی ملک میں ہو لیکن ان کا ہاتھ کسی کے سامنے نہیں پھیل سکتا وہ اپنے ضمیر کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں اور آپ یقین جانئے کہ یہ زمین و آسمان اس وقت تک صحیح طور پر قائم ہیں، جب تک کسی نہ کسی شکل میں تھوڑی سی تھوڑی تعداد میں خواہ ان کو دیکھنے کے لئے دوربین کی یا خوردبین کی ضرورت پیش آئے لیکن ان کا وجود تو ہو خوردبین بھی تو اسی کو دیکھ سکتی ہے جس کا وجود ہے جس کا سرے سے وجود ہی نہیں اس کو خوردبین کہاں سے دیکھے گی، آج اتنی چھوٹی شکل میں ایسی غیر مرئی شکل میں سہی ان لوگوں کا وجود کہیں تو ہوتا جن کو خوردبین سے دیکھا جاسکتا خدا کا شکر ہے ایسا تو نہیں ہوا کہ دنیا ان کے وجود سے

یکسر خالی ہو جائے لیکن یہ جنس بہت نایاب ہے اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

بس میرے بھائیو! میرے نزدیک مدرسہ کا صرف ایک کام ہے کہ وہ ایسے حقانی اور ربانی علماء پیدا کرے جو صرف یہی نہیں، یہ تو ان کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے ضمیر کا سودا کریں نہیں بلکہ وہ دنیا کو جو ضمیر کا سودا کر رہی ہے اس کو سرزنش کر سکیں، اس سے کہہ سکیں کہ انسان کا ضمیر اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے کہ وہ روز بکے روز نیلام پر چڑھے، ایک عہدے پر بک جائے، ایک عہدہ، ایک کرسی، ایک خوشنودی، ایک تبسم اس کو خرید لے۔

حضرات!

آپ نے انہی ریاستوں میں اپنے انہیں مرکزوں میں ایسے قصے سنے ہوں گے کہ لوگوں نے اپنی شرافت پر آنچ نہیں آنے دی، اپنی عزت پر میل نہیں آنے دیا بڑے سے بڑے نقصان کو گوارہ کر لیا، لیکن اس کے لئے تیار نہیں وہ یہ کہ اپنی اس عزت، اس سطح اور اس معیار سے نیچے اتر آئیں، میں صرف ہندوستان کو نہیں کہتا، میری نگاہ ساری دنیا پر ہے، میں ساری دنیا کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں، اور یہ میں جو آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں یہ میں ہر جگہ کہہ آیا ہوں یہ نہیں کہ میں آج آپ کے سامنے پہلی مرتبہ کہہ رہا ہوں، میں نے عربوں کے سامنے یہی بات کہی، میں نے ان سے کہا کہ ہم نے تم سے خودداری کا سبق سیکھا تھا۔ ہم نے تم سے ایمان کا سبق سیکھا تھا، ہم نے تم سے استقامت کا سبق سیکھا تھا۔ میں نے ناصر کے زمانہ میں جب عرب اپنے آپ میں نہیں تھے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ان میں باقی نہیں رہی تھی اس وقت میں نے ان کا گریبان پکڑ پکڑ کر ان سے کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ ایک چیز کو غلط سمجھتے ہیں اور آپ اس کے پیچھے اس طرح دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔

عالم ہر زمانہ میں، ہر جگہ قبلہ نما ہے

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باحوصلہ، ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے کہ جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا اپنی جگہ پر کھڑا ہے راستہ بتاتا ہے

جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتا دے گا۔ ہندوستان میں بتائے گا دوسرے ملک میں بتائے گا پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا۔ یہ عالم کا کام ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما ہے۔

یہ ''جامعہ ہدایت'' جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان مقاصد عالیہ پر ان کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اور حقیقت میں ہر دینی مدرسہ کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے اور یہی اس کی اصل قدر و قیمت ہے ان کو آپ ان کی عمارتوں سے نہ پہچانئے، آپ ان کے بوریوں اور وہاں کے فرنیچر کی کمی اور وہاں کے پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کی تہی دامنی اور ان کی بے بضاعتی سے ان کا درجہ قائم نہ کیجئے جیسے کہ کہنے والوں نے کہا گدائے شاہی میں اور دلق فقیری میں وہ شاہانہ مزاج رکھتے ہیں، ان کا مزاج شاہانہ ہے اور ان کا لباس فقیرانہ ہے، یہ ہمارے علماء سلف تھے اور آج انہی علماء سلف کی اس وقت ضرورت ہے۔

مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا

خدا کا شکر ہے کہ ہوا کے رخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں ہے اگر مدرسہ کا یہ اصول ہوتا تو وہ کب کے انگریزی کے، عربی کے کالج بن چکے ہوتے لیکن جو اس وقت چند گنے چنے مدرسے باقی ہیں وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنے کو قبول نہیں کیا۔

حضرات! میں ان الفاظ کے ساتھ آپ حضرات کی عزت افزائی کا اور بانیان مدرسہ خاص طور پر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب فائز کی ذرّہ نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس اہم اور مقدس اور اس بابرکت اور عالی مرتبہ کام کے لئے مجھ جیسے طالب علم کا انتخاب کیا جو کچھ، میرے متعلق کہا میں اللہ سے دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا کیجئے کہ اس دن مجھے رسوائی سے بچائے کہ جس دن یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ کا ظہور ہوگا۔ اب میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے اور صحیح معنی میں اس کو مرکز ہدایت بنائے۔ آمین